عامرہ

حنا ملک

زخموں سے نہ کچھ سوال کرو
آؤ، زخموں کا اندمال کرو
اِک تصوّر کا چاند مت پوجو
رُوح کو ماہ کی مثال کرو

کیسی رات تھی یہ؟ غموں میں ڈوبی ہوئی۔ اداس سی۔ سوگواری۔ اس کے لیے تو یہ رات اماوس کی رات تھی۔ چاند بھی جانے کہاں تھا شاید اداسی کی باہنوں میں پڑا سسک رہا تھا۔ عجیب کالی گھور اندھیری رات تھی۔ اس نے تو سنا تھا کہ یہ رات ہر لڑکی کی زندگی میں خوشیاں لے کر آتی ہے۔ لڑکی کی ذات کا فخر اور اس کا مان ہوتی ہے مگر اس کے لیے اس رات میں ایسا کچھ نہ تھا۔ راکنگ چیئر پر جھولتے جھولتے نظریں اس شخص پر پڑیں جس نے اس کا سب کچھ چھین لیا تھا۔ حتیٰ کہ اس کی ذات کا فخر بھی۔ اس کی زندگی برباد کر کے کس قدر سکون سے سو رہا تھا وہ۔ اس نے کرب سے آنکھیں بھینچ لیں اور ذہن کے پردے پر ماضی کی فلم چلنے لگی۔

❖❖❖❖

شوکت جاہ کے تین بیٹے تھے۔ عقیل جاہ، شکیل جاہ اور عدیل جاہ۔ عقیل جاہ کے بھی تین بیٹے تھے۔ عمر، علی اور عمیر۔ شکیل جاہ کے چار بیٹے تھے۔ زبیر، خرم، شرجیل، نبیل، عدیل جاہ کی صرف ایک ہی بیٹی تھی، عامرہ۔

چونکہ گھر میں وہ اکیلی لڑکی تھی اس لیے گھر بھر کی لاڈلی تھی۔ ہر کسی کی آنکھ کا تارا تھی۔ سوائے شرجیل اور نبیل کے باقی سب اس سے بڑے تھے۔ شرجیل بھی اس کا ایج فیلو ہی تھا۔ نواب شوکت جاہ اور ان کے بیٹے اپنے آبائی گاؤں کی بڑی سی شاندار حویلی میں رہتے تھے۔ نواب شوکت جاہ کی وفات کے بعد بھی بیٹوں نے آبائی حویلی کو نہ چھوڑا۔ عمر، علی اور زبیر شادی شدہ تھے اور بزنس کرتے تھے۔ عمیر، خرم، شرجیل اور نبیل پڑھتے تھے۔ خرم اور شرجیل کراچی میں ہوتے تھے جبکہ عمیر اور نبیل اسلام آباد میں پڑھتے تھے۔ عامرہ نے حویلی کی روایت کے برعکس گاؤں کے ایک قریبی اسکول سے میٹرک پاس کیا۔ اس نے میٹرک پاس کرتے ہی یہ ضد کی کہ وہ لاہور کے کسی کالج میں داخلہ لے گی۔ چونکہ گھر بھر کی لاڈلی تھی اس لیے کوئی اس کی بات ٹال نہ سکا۔ اس کی تو خواہش تھی کہ ہاسٹل میں رہے گی اور ہاسٹل لائف کو انجوائے کرے گی۔ مگر عقیل جاہ نے صاف انکار کر دیا۔ ان کا موقف تھا کہ وہ اپنی نوجوان

Aneela
Pakistanipoint

لڑکی کو یوں ہاسٹلوں میں نہیں رہنے دیں گے۔ لاہور میں شوکت جاہ کی خالہ زاد بہن کی بیٹی کا گھر تھا۔ وہ عامرہ کی رشتے کی پھوپی لگتی تھیں سو ان کے گھر عامرہ کے قیام کا انتظام کیا گیا۔ عمیر اور عامرہ میں شروع سے ہی کافی انسیت اور دوستی تھی۔ جب وہ لاہور جا رہی تھی تو عمیر بڑا اداس نظر آ رہا تھا۔

''تمہارے بغیر تو میں اداس ہو جاؤں گا۔''

''تو تم کون سا یہاں رہتے ہو۔ تم تو اسلام آباد میں ہوتے ہو۔''

''لیکن جب میں گھر آیا کروں گا تو تم تو یہاں نہیں ہو گی۔'' بے حد دل گرفتہ تھا۔

''تو میں بھی آ جایا کروں گی۔''

''دیکھو، ہمیں وہاں جا کر بھول نہ جانا۔'' عمیر نے کہا۔ عمیر بی ایس سی کر رہا تھا اور پھر وہ لاہور آ گئی۔ میمونہ پھوپو کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کے صرف دو بچے تھے۔ سب سے بڑا برداش آفریدی اور اس سے صرف ایک سال چھوٹی عظمیٰ، عظمیٰ کی شادی ہو چکی تھی اور وہ ملتان میں رہتی تھی۔ برداش تھا تو عظمیٰ سے بڑا مگر ابھی شادی نہیں ہوئی تھی۔ بڑی گریس فل اور ڈیسنٹ پرسنالٹی تھی اس کی۔ ہر وقت یا تو بزنس میں مگن رہتا یا اپنے کمرے میں الگ تھلگ رہتا تھا۔

اس روز وہ لان میں بیٹھی تھی کہ سامنے دیوار پر دو نیلے طوطے دکھائی دیے۔ وہ انہیں دیکھتے دیکھتے کہیں دور نکل گئی۔

''عامرہ! پتا ہے مجھے یہ نیلا نیلا آسمان بہت پسند ہے۔''

''پتا ہے مجھے نیلے طوطے۔'' عمیر چوں کہ نیلے رنگ کا دیوانہ تھا اس لیے وہ اسے نیلا طوطا کہا کرتی تھی۔

''مجھے تو ہر نیلی چیز بے حد پسند ہے جیسے نیلا پانی، نیلے پھول اور تمہاری نیلی جھیل سی آنکھیں۔'' وہ کچھ شوخ ہو گیا۔

''اور تمہارا یہ نیلا pen'' عامرہ نے ایک Pen فضا میں لہرایا۔

''ارے یہ تمہارے پاس کیسے آیا؟ میں کئی روز سے اسے تلاش کر رہا تھا۔''

''میں نے تمہارے کمرے سے اٹھایا تھا۔''

''ویسے یار پکی چور ہو تم۔'' وہ مسکرایا۔

''کیا کہا۔ میں چور ہوں اور تم کیا ہو؟'' وہ لڑاکا عورتوں کی طرح ہاتھ کمر پر رکھے اس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔

''چورنی کے گھر والا۔'' شرارت سے اس کی پونی کھینچی اور اگلے ہی لمحے وہ وہاں سے بھاگ گیا تھا۔

عامرہ کے لبوں پر گہری مسکراہٹ تھی۔

''ارے عامرہ بیٹا کس بات پر ہنس رہی ہو۔ ہمیں بھی تو بتاؤ۔'' میمونہ پھوپو نے آ کر اس کی سوچوں کو منتشر کر دیا۔

''آں...... وہ کچھ نہیں پھوپو۔ بس ایسے ہی۔'' وہ ٹال گئی۔ اسی لمحے گاڑی پورچ میں آ کر رکی۔ پھوپو کھل اٹھیں۔ عظمیٰ باجی اپنے بچوں اور میاں کے ساتھ آئی تھیں۔ ان کا دیور خضر بھی ساتھ ہی تھا۔

''آنٹی یہ کون ہیں؟'' پرشوق نگاہیں عامرہ پر ٹکاتے ہوئے پوچھا۔ عامرہ کو اس کی نگاہیں عجیب سی محسوس ہوئیں چبھتی ہوئی۔ بدن کے آر پار ہونے والی نگاہیں۔

''بھتیجی ہے میری۔ رشتے کے بھائی کی بیٹی۔ لاہور پڑھنے آئی ہے۔''

''اوہ، آئی سی۔'' وہ مزید تو کچھ نہیں بولا مگر اس کی نظریں بہت کچھ کہہ رہی تھیں۔ عامرہ نے وہاں سے ہٹ جانا مناسب سمجھا۔

''باجی! آپ کا نام بہت مشکل ہے۔'' سات سالہ اسد نے کہا تو وہ مسکرا دی۔

''اچھا۔ تو آپ ایسا کریں میرا نام ہی نہ لیا کریں۔''

"نہیں میرا دل چاہتا ہے آپ کو نام سے پکارنے کو۔" اسد کے بجائے خضر نے جواب دیا۔

"اچھا تو ایسا کرو مجھے باجی کہہ لیا کرو۔"

"اسد! تم سے کہہ رہی ہیں۔" خضر نے کہا۔

"جی۔ میں آپ کی بھی باجی ہی ہوں۔"

"لاحول ولاقوۃ۔ مجھ سے تین چار سال تو چھوٹی ہوں گی آپ۔"

عامرہ نے بحث ضروری نہیں سمجھی اور بچوں کو لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ خضر عجیب دل پھینک قسم کا لڑکا تھا۔ اچھا خاصا ڈیسنٹ نظر آتا تھا مگر اس کی آنکھیں بہت مکار لگتی تھیں۔

اس روز بھی وہ کچن میں کھڑی تھی جب خضر نے پیچھے سے آ کر اس کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کون؟"

"میں ہوں۔" انداز شوخی سے بھرپور تھا۔

"کون؟ خضر بھائی!" عامرہ نے پہچان کر ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ ہٹائے۔ "یہ کیا بدتمیزی ہے؟" اس کا انداز خضر کے لیے متوقع نہیں تھا۔

"اس میں اتنا غضب ناک ہونے کی کیا بات ہے؟"

"خضر بھائی۔ میں آپ کی کوئی گرل فرینڈ نہیں ہوں اور پلیز آئندہ مجھ سے ایسے بیہودہ مذاق کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ وہاں سے چلی گئی جبکہ خضر سر جھٹک کر رہ گیا۔ عظمیٰ باجی دس دن رہنے کے بعد واپس چلی گئیں۔ جتنے دن وہ رہیں خضر نے عامرہ کو تنگ کر کے رکھ دیا تھا۔ اس نے نوٹ کیا تھا کہ پرداش کو بھی خضر کچھ زیادہ پسند نہ تھا۔

"آپ ہمیں یاد کریں گی؟" جاتے سمے خضر نے اس سے پوچھا۔

"جی نہیں۔ اول تو ایسا ممکن ہی نہیں۔ اگر آپ یاد آ بھی گئے تو میں آیۃ الکرسی پڑھ لوں گی۔" عامرہ کے اس جواب پر قریب ہی کھڑے پرداش کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

عظمیٰ کے جانے کے چند دنوں بعد ہی پھوپو کی طبیعت بہت زیادہ بگڑ گئی۔ انہیں ہاسپٹل شفٹ کرنا پڑا تھا۔ وہ چونکہ وہاں رہتی تھی اس لیے سارے گھر کی ذمہ داری اس کے کندھوں پر آ پڑی تھی۔ پرداش سے ویسے بھی اس کی اتنی بے تکلفی نہیں تھی۔ پرداش سارا دن آفس میں اور پھر ہاسپٹل میں رہتا۔ صرف رات کو سونے کے لیے گھر آتا تو عامرہ رات کے وقت پھوپو کے پاس ہاسپٹل میں ہوتی۔ پھوپو کے لیے پرہیزی کھانا بھی وہ خود تیار کرتی تھی۔

"پرداش بھائی! کھانا لاؤں آپ کے لیے؟" وہ ابھی ابھی آفس سے لوٹا تھا۔ شاید بہت تھک گیا تھا۔ پرداش نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ شاید وہ ابھی ابھی نہا کر نکلی تھی۔ ہلکے گلابی رنگ کے لان کے سوٹ میں وہ بھی کھلا ہوا گلاب کا پھول لگ رہی تھی۔ لمبے گھنے سیاہ بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے جن سے قطرہ قطرہ پانی ٹپک رہا تھا۔

"آں۔ وہ ایک کپ چائے اگر مل جائے تو......" وہ الجھتے ہوئے بولا۔ عامرہ تیزی سے مڑی۔ پرداش کے سینے سے سر ٹکرا گیا۔ آگے بڑھنا چاہا مگر یہ کیا؟ لمبے بالوں کی ایک لٹ پرداش کی شرٹ کے بٹن میں اٹک گئی تھی۔ یہ صورت حال پرداش کے لیے بھی خجالت آمیز تھی۔ وہ بھی خجل سی کھڑی بالوں کو چھڑوانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر بال کچھ اس طرح الجھے تھے کہ کوئی سرا ہی ہاتھ نہ آ رہا تھا۔ بالآخر بڑی مشکلوں سے بال آزاد ہوئے۔ وہ بنا پرداش کی جانب دیکھے کچن کی طرف چلی گئی۔

"پرداش بھائی! آپ نے مجھ سے Pen لیا تھا۔" اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔ اگر وہ عمیر کا دیا ہوا Pen نہ ہوتا تو وہ کبھی اتنا تردد نہ کرتی۔

"اوہ۔ وہ Pen۔ آئی ایم سوری عامرہ، وہ تو شاید کہیں گم ہو گیا ہے۔"

Aneela Pakistanipoint

"کیا؟" وہ صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

"ڈونٹ وری۔ میں تمہیں دوسرا لادوں گا۔" پرواش کے کہنے پر وہ اپنے کمرے میں جاکر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"عمیر وہ جو تم نے مجھے Pen دیا تھا ناں۔ وہ کہیں گم ہو گیا ہے۔"

"کیا؟ عامرہ، تم ایک نشانی نہ سنبھال سکیں۔"

"ارے میرے نیلے طوطے روتے کیوں ہو۔ یہ رہا تمہارا Pen" وہ کھلکھلائی اور Pen اس کے سامنے کر دیا۔

"عامرہ! آئندہ ایسا مذاق نہ کرنا۔ میں نے یہ Pen بڑے خلوص سے صرف تمہارے لیے خریدا تھا۔ اگر تم نے اس کی حفاظت نہ کی تو میں سمجھوں گا کہ تمہیں مجھ سے رتی بھر دلچسپی نہیں ہے۔"

"ہائے اللہ، تمہارا تو دل بھی طوطے جتنا ہے۔" عمیر کی باتیں یاد آتے ہی اس کے آنسوؤں میں بھی روانی آ گئی۔ اگلے دو دن تک وہ اداس رہی۔ وہ اس وقت اندر بیٹھی تھی جب عمیر کی چہکتی ہوئی آواز پر وہ چونک گئی۔ "سرپرائز۔"

"ارے نیلے طوطے تم۔" وہ خوشی سے اچھل پڑی تھی۔ "بنا کسی اطلاع کے۔"

"بس سوچا تم کو سرپرائز دوں۔ اسلام آباد سے سیدھا یہاں آ رہا ہوں۔" کافی دیر وہ باتیں کرتے رہے تھے۔

"وہ...... عمیر...... ایک بات کہوں۔ مگر وعدہ کرو مجھ سے ناراض نہیں ہوگے۔"

"ارے تم کہو تو سہی۔"

"وہ...... وہ ناں تمہارا Pen گم ہو گیا ہے۔"

"اس بار تم مجھے ٹریپ نہیں کر سکتیں۔ تم یہ مذاق پہلے بھی کر چکی ہو۔"

"یہ مذاق نہیں ہے۔"

"عامرہ، تم بہت لاپرواہ ہو۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟"

"جہنم میں، خدا حافظ۔" وہ چلا گیا اور عامرہ کو رونا آ گیا۔ بالکل بچوں جیسی حرکتیں کرتے تھے وہ دونوں۔ بچوں کی سی باتیں، بچوں کے سے شوق، خلوص اور پاکیزگی دونوں کے تعلق میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

"عامرہ، تمہارا فون ہے۔" پرواش کارڈلیس اسے تھما کر خود باہر نکل گیا۔

"میرا فون؟ کون ہو سکتا ہے؟"

"ہیلو۔"

"کیا حال ہے بھئی؟" دوسری طرف عمیر تھا۔

"تم، نیلے طوطے میری یاد کیسے آ گئی؟" وہ چہکی۔

"بس دیکھ لو۔"

"اس روز تم مجھ سے ناراض ہو کر چلے گئے تھے۔"

"نہیں تو۔ وہ تو بس میں تمہیں آزما رہا تھا۔"

"تم بہت برے ہو۔ تمہیں پتا ہے میں ساری رات روتی رہی تھی۔"

"تم روتی بھی ہو؟" شرارت سے پوچھا۔

"عمیر کے بچے......"

"کب ہوئے؟" وہ بھی اول نمبر کا ڈھیٹ تھا۔

"تمہیں شرم تو نہیں آتی۔"

"میں تو لڑکا ہوں۔ شرم تو لڑکیوں کو آتی ہے۔ ویسے یار ایک بات تو بتاؤ، تم مجھ سے کیوں نہیں شرماتیں؟"

"بکواس بہت کرنے لگے ہو۔ اچھا میں اب فون رکھ دوں گی اگر ایسی ویسی کوئی بات کی تو۔" دھمکی آمیز لہجہ تھا۔

"یار! ابھی وقت تو آنے دو۔ ایسی ویسی باتوں کا۔" عمیر مسکرایا پھر وہ دونوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے تھے۔

پھوپو اسپتال سے گھر شفٹ ہو گئیں۔ چند دنوں سے پرواش کچھ دیر سے گھر آ رہا تھا۔ پھوپو تو دواؤں کے زیر اثر جلد ہی سو جاتی تھیں اور وہ کافی دیر تک جاگتی

Aneela Pakistanipoint

رہتی تھی۔

''پرداش بھائی کھانا......'' اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی پرداش نے اس کو کندھوں سے جکڑ لیا اور دیوار کے ساتھ لگا دیا۔ ایک ہاتھ دیوار پر رکھا اور ذرا سا قریب آیا۔

''تم میری اتنی فکر کیوں کرتی ہو؟''

''جی...... وہ......'' وہ ہراساں ہوگئی تھی۔ دوسرا وہ بھی کچھ بدلا بدلا سا لگ رہا تھا۔

''جب کسی اور نے میری پرواہ نہیں کی تو پھر تم کون ہوتی ہو میرے لیے اتنی فکر مند ہونے والی۔'' وہ عجیب مبہم باتیں کررہا تھا۔ پھر اسے چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ عامرہ سہم کر رہ گئی۔ پرداش کا یہ روپ اسے خوفزدہ کر گیا تھا۔

پھوپو کی طبیعت کچھ سنبھلی تو اس نے بھی شکر کا سانس لیا اور پھر سے اپنی پڑھائی میں جت گئی۔

عظمیٰ کے سسر کا انتقال ہوگیا تھا اور بالکل ایمرجنسی میں پھوپو کو وہاں جانا پڑ گیا تھا۔ پرداش شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ عامرہ کا صبح پیپر تھا۔ گھر میں مالی، چوکیدار، باورچی اور ڈرائیور اور اس کی بیوی گھر پر تھے۔ پھوپو نے ساتھ والی بوا کو بھی گھر بلالیا تھا کہ وہ عامرہ کے ساتھ رہیں۔ عامرہ کے پیپر نہ ہوتے تو وہ اسے اپنے ساتھ لے جاتیں یا اس کے گاؤں بھجوا دیتیں مگر مجبوری تھی۔ وہ کیسے پیپر چھوڑ سکتی تھی۔ پھوپو بے شمار نصیحتیں کرکے چلی گئیں۔ اسے ڈر تو محسوس ہوا مگر بوا اور چوکیدار کی بیوی کی موجودگی میں تسلی رہی۔ بوا بوڑھی عورت تھیں، جلد ہی سو گئیں۔ چوکیدار کی بیوی اپنے کوارٹر میں چلی گئی۔ وہ کچھ دیر تک تو پیپر کی تیاری کرتی رہی پھر پانی پینے کے لیے اٹھ کر باہر آگئی۔ اسے آہٹ سنائی دی تو دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے کھڑکی میں سے کچن کے اندر جھانکا تو پرداش کو دیکھ کر حیرانی ہوئی۔ وہ برف کے کیوبز گلاس میں ڈال رہا تھا۔

''ارے، پرداش بھائی آپ کب آئے؟''

''ہوں۔ ابھی کچھ دیر پہلے۔ تم سوئی نہیں؟''

''بس سونے ہی جارہی ہوں۔ آپ کو کچھ چاہیے تو نہیں؟''

''آں۔ ہاں۔ نہیں۔ تم جاؤ سوجاؤ۔'' پرداش کے کہنے پر وہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔ کچھ دیر بعد اسے یاد آیا کہ پھوپو کہہ گئی تھیں کہ جس وقت بھی پرداش آئے یا اس کا فون آئے تو اسے فوراً ملتان فون کرنے کا کہنا۔ اسی لیے وہ پرداش کے کمرے میں چلی آئی۔ دستک دینے پر مدھم سی آواز ابھری۔ ''یس۔''

''وہ...... پرداش بھائی......'' وہ اندر جاتے ہوئے جھجک گئی۔ وہ بنا شرٹ کے بستر پر نیم دراز تھا اور ہاتھ میں کسی قسم کا مشروب تھا۔ شاید پیپسی۔ عامرہ نے سوچا۔

''کیا ہے؟'' وہ نیم غنودگی کے عالم میں تھا۔

''وہ دراصل پھوپو کہہ گئی تھیں کہ......''

''کک...... کیا کہا...... انہوں...... نے؟'' پرداش نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں اور پھر دیکھتا چلا گیا۔ سرخ اور سیاہ امتزاج کے سوٹ میں اس کی گوری رنگت پھٹی پڑ رہی تھی۔ سردی کی تمازت سے سرخ ہوتے ہونٹ اور گال، نیلی جھیل سی آنکھیں اور گھنیری پلکیں۔ بس یہی وہ لمحہ تھا جس نے ساری بساط ہی پلٹ کر رکھ دی تھی۔ پرداش کے لیے اس کومل سی لڑکی پر قابو پانا کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ کہاں وہ دیوہیکل آہنی وجود کا مالک مضبوط مرد اور کہاں وہ نازک اندام، چھوٹی سی لڑکی۔ ساری آہ و بکا بے کار گئی کیونکہ وہاں کوئی انسان نہیں بلکہ درندہ تھا۔ جانے کس وقت وہ روتے روتے بے ہوش ہوگئی تھی۔ صبح جب پرداش حواسوں میں لوٹا تو اس کا نازک وجود پوری طرح اس کے شکنجے میں تھا۔ وہ جھٹکا کھا کر پیچھے ہٹا۔ کچھ دیر صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا۔ ''اوہ میرے خدا! یہ کیا ہوگیا مجھ سے؟'' رات کے مناظر فلم

Aneela Pakistanipoint

کی طرح اس کے ذہن میں گھومنے لگے۔ ''کیوں کیا میں نے ایسا۔ کیوں میں نے ایک معصوم لڑکی سے اس کی معصومیت چھین لی؟'' وہ رو دینے کو تھا۔ کچھ دیر اسے اپنے حواس بحال کرنے میں لگے پھر وہ سلیپر پیروں میں ڈالتا اٹھ کر باہر آ گیا۔ تمام ملازمین ابھی تک اپنے کوارٹروں میں تھے۔ بوا بھی ابھی تک سو رہی تھی۔ وہ دوبارہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ پانی کا گلاس بھر کر عامرہ کے منہ پر چھینٹے مارے مگر وہ ہوش میں نہ آئی۔ پھر اپنا ہاتھ مضبوطی سے اس کے ناک اور ہونٹوں پر رکھا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ ہوش میں آ گئی اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی اسے اور کبھی چھت کو گھورنے لگی۔ وہ نظریں چرا گیا۔

''عامرہ! آر یو آل رائٹ۔'' جانے کس دل سے وہ یہ پوچھ رہا تھا حالانکہ پتا تھا کہ وہ درست حالت میں نہیں تھی۔ اتنا بڑا حادثہ جو ہو گیا تھا اس کے ساتھ۔ وہ اس کے لیے جوس لے آیا۔

''اٹھو۔ یہ پی لو۔'' پرداش نے اس کو اٹھایا۔ عامرہ نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔ ایک ایک بات یاد آنے لگی۔ اپنے عظیم نقصان کا احساس ہوتے ہی اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

''بول کیا بگاڑا تھا میں نے تیرا۔ کیوں کیا تو نے یہ ظلم میرے ساتھ۔ درندے، ظالم، دور ہو جا میری نظروں سے۔ نفرت ہے مجھے تجھ سے۔'' وہ اس کا گریبان پکڑ کر چلا دی۔ طمانچوں سے اس کا چہرہ سرخ کر دیا۔ پرداش خاموش کھڑا رہا۔ بالآخر وہ خود ہی تھک کر کسی ٹوٹی شاخ کی طرح بستر پر ڈھے گئی۔

''عامرہ! دیکھو اپنے آپ کو سنبھالو۔ اس طرح تو تماشا بن جائے گا۔ اپنے آپ کو نارمل کرنے کی کوشش کرو۔'' وہ سمجھا رہا تھا۔

عامرہ اس پر ایک دزدیدہ نظر ڈال کر باہر نکل گئی۔ سارا دن اپنے کمرے میں گزار دیا۔ پرداش صبح سے ہی آفس کے لیے نکل گیا۔ وہ سارا وقت اپنے کمرے میں روتی رہی تھی۔ ایسی زندگی سے موت ہی بہتر ہے۔ ہاں مجھے مر جانا چاہیے۔ وہ یہی سوچ کر دیوانوں کی طرح دوڑتے ہوئے اوپر چھت پر چلی گئی۔ ارادہ تھا کہ چھلانگ لگا کر خودکشی کر لے گی۔ ابھی آگے بڑھنے ہی لگی تھی جب کسی نے اس کا بازو تھام لیا تھا۔ عامرہ نے مڑ کر دیکھا تو پرداش کو موجود پایا۔ پرداش اتفاقاً اسی وقت گھر آیا تھا اور اسے یوں دیوانہ وار چھت کی طرف جاتا دیکھ کر فوراً اس کے پیچھے آیا تھا۔

''چھوڑ دو مجھے۔ مر جانے دو مجھے۔'' وہ اپنا آپ چھڑوانے کے لیے مچل رہی تھی۔

''عامرہ! پاگل مت بنو۔ ہوش میں آؤ۔'' پرداش نے اسے جھنجھوڑا۔ مگر جب وہ کسی طرح قابو میں نہ آئی تو ایک زوردار تھپڑ دے مارا۔ وہ ایک دم سناٹے میں آ گئی اور پھر وہیں بیٹھ کر رونے لگی۔ پرداش نے بڑی پریشانی سے اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

''سنو عامرہ، جو ہوا اسے خواب سمجھ کر بھول جاؤ۔ اپنی زبان پر قفل لگا لو۔ اگر کسی کو بتاؤ گی تو نقصان اٹھاؤ گی۔'' وہ اسے سمجھانے لگا۔

''ابھی کچھ اور نقصان ہونا باقی ہے؟'' روتے روتے سر اٹھایا۔ وہ نظریں چرا گیا۔ ''مجھے اپنے گھر جانا ہے۔''

''ٹھیک ہے میں......''

''نہیں۔ آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی میں۔ آپ میرے گھر فون کر دیجیے اور میرے گھر والوں سے کہیے کہ آ کر اس زندہ لاش کو لے جائیں۔'' روتے روتے اس کی آواز پھٹنے لگی تھی۔ پرداش کا دل کٹنے لگا۔ وہ اسے لے کر نیچے آ گیا اور اگلے ہی لمحے وہ حویلی کے لیے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

❖❖❖

اف! کیسی قیامت تھی کہ وہ آئینے سے بھی نظریں چرانے لگا تھا۔ عامرہ کا حسن ہی ایسا توبہ شکن تھا کہ کسی بھی عابد و زاہد کا ایمان خراب کر سکتا تھا۔ جب رات کی

تنہائی ہو اور مرد اور عورت کے درمیان کوئی پاکیزہ رشتہ بھی حائل نہ ہو تو مرد کو حیوان بنتے دیر نہیں لگتی۔ وہ اپنے آپ کو اس قسم کے بہلاوے دے رہا تھا مگر دل کو قرار نہیں تھا۔ جب سے عامرہ گئی تھی وہ مسلسل انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ احساس گناہ خون بن کر رگوں میں دوڑ رہا تھا۔ بالآخر اس نے ایک فیصلہ کر ہی لیا۔ میمونہ کے آتے ہی ان سے بات کرلی۔

''وہ..... امی میں..... عامرہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''شکر ہے بیٹا، تمہیں کوئی لڑکی تو پسند آئی۔ مجھے بھی وہ بچی بڑی پسند ہے۔'' میمونہ کھل اٹھی تھیں۔ کچھ ہی دنوں بعد وہ پروپوزل لے کر حویلی جا پہنچیں۔

ادھر عامرہ کا یہ حال تھا کہ جب سے آئی تھی ایک چپ سی لگ گئی تھی۔ وہ کسی کو بھی اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا نہ بتا سکی۔ پرداش کا پروپوزل آیا تو گھر والوں نے کچھ پس وپیش کے بعد ہاں کردی۔ گھر کے لڑکوں میں ابھی کوئی بھی شادی کرنے کی پوزیشن میں نہ تھا کیونکہ سب پڑھ رہے تھے جبکہ مہرین جاہ (عامرہ کی والدہ) بضد تھیں کہ ان کی زندگی میں ہی بیٹی کی شادی کردی جائے۔ وہ کینسر کے مرض میں مبتلا تھیں۔ ایک ماہ کے اندر اندر سب کام ہوگئے۔

عمیر کو جب سے عامرہ کی شادی کا علم ہوا تھا اس نے اسلام آباد سے گھر آنا کم کردیا تھا۔ عامرہ کا تو گویا ایک خاموش بت کا سا حال تھا جس وقت بارات کے آنے کا شور اٹھا تو تمام لڑکیاں باہر چلی گئیں اور وہ کمرے میں اکیلی رہ گئی۔

''خوش ہو؟'' عمیر نے پوچھا۔ اس نے بدقت تمام گردن اثبات میں ہلادی۔ عمیر کے دل میں ایک ٹیس سی ابھری۔

''یہ..... میں نے کسی اور موقع کے لیے رکھا تھا مگر شاید وہ موقع میری قسمت میں ہی نہیں تھا۔'' عمیر نے ایک مخملیں ڈبہ اس کی طرف بڑھایا اور خود اٹھ کر باہر چلا گیا۔ عامرہ نے کھول کر دیکھا تو اس میں فیروزے کے جڑاؤ کنگن تھے شدت غم سے اس نے آنکھیں بھینچ لیں اور پھر وہ وقت بھی آ گیا جب اسے وداع کردیا گیا۔ لاہور سے ان کے گاؤں کا تین گھنٹے کا فاصلہ تھا۔ رخصتی ہوتے ہی وہ لوگ لاہور کے لیے روانہ ہوگئے تھے۔ شادی چونکہ دن کے وقت ہوئی تھی اس لیے وہ لوگ تقریباً پانچ بجے لاہور پہنچے۔

اس قدر بھاری زیورات اور کامدار شرارے میں مسلسل ایک ہی پوزیشن میں بیٹھے بیٹھے اس کی گردن اکڑ گئی تھی۔ ایک گھنٹہ آرام کرنے کے بعد بیوٹیشن آ گئی جس نے بڑی مہارت سے اسے تیار کردیا۔ میمونہ کے اکلوتے بیٹے کی شادی تھی۔ گھر میں بے حد رونق لگی ہوئی تھی۔ فنکشن ختم ہونے کے بعد عظمیٰ اسے کمرے میں بٹھا کر چلی گئی۔ پرداش اس کے قریب بیٹھ گیا۔ ارادہ ہاتھ تھامنے کا تھا مگر وہ جھٹکے سے دور ہٹی تھی۔

''مجھ سے دور رہیے پرداش آفریدی۔ یہ عروسی روپ آپ کے لیے نہیں سجایا گیا۔''

''عامرہ پلیز، جو کچھ ہوا وہ انجانے میں ہوا۔ مجھے معاف کردو۔''

''ہونہہ معافی۔ کبھی نہیں، میں مر کر بھی آپ کو معاف نہیں کروں گی۔''

''پلیز، میں بہک گیا تھا۔ میں نے بہت سے دن پچھتانے میں گزارے ہیں۔'' وہ واقعی شرمندہ تھا جبھی معافی مانگ رہا تھا۔ ورنہ معافی مانگنا پرداش آفریدی

امپورٹڈ

بجائے کار وہ بیوی نئی امپورٹ کرتے ہیں
اگرچہ اس بکھیڑے میں بھی پیسہ کم نہیں لگتا
کہا اس شخص نے امپورٹڈ کے بارے میں
یہ وہ دولت ہے جس کا پورٹ پر کسٹم نہیں لگتا

(ارم الیاس خانزادہ۔ ٹنڈو الہ یار)

کی خصلت نہ تھا۔

''میں کچھ سننا نہیں چاہتی۔ سمجھے آپ۔ اور کان کھول کر سن لیں میں آپ کو شوہر تسلیم نہیں کرتی۔ میری نظر میں آپ کی وقعت محض ایک لٹیرے کی سی ہے۔ اور اگر آپ نے میری مرضی کے خلاف مجھے استعمال کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھیے گا میں خودکشی کرنے سے بھی دریغ نہیں کروں گی۔'' بے حد کھٹور اور نخوت سے بھرا لہجہ تھا۔ پرداش چپ ہوگیا۔ اس نے کبھی بھی نہیں سوچا تھا کہ اس کی شادی عامرہ سے ہوگی۔

سفر کی تکان کی وجہ سے وہ جلد ہی سو گیا تھا جبکہ عامرہ نے ساری رات راکنگ چیئر جھولتے ہوئے اپنا تلخ ماضی یاد کرنے میں گزار دی تھی۔ حال میں لوٹتے ہی اس کی نظر پرداش پر پڑی تھی۔ یہ شخص واجب القتل ہے۔ اگر اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ اسی وقت اس کا خاتمہ کر دیتی۔ شادی، ولیمہ، دعوتیں سب کچھ ختم ہوگیا۔ دو ماہ ہونے کو آئے تھے مگر وہ اس سے اسی طرح بے گانہ تھی البتہ دنیا داری وہ دونوں بہت اچھی طرح نبھا رہے تھے۔

زبیر بھائی کا بیٹا پیدا ہوا تھا اور حویلی میں جشن کا انتظام کیا گیا تھا۔ وہ شادی کے بعد پہلی بار گاؤں جارہی تھی۔

''بھئی تم تو پیا دیس جاتے ہی ہم سب کو بھول گئیں۔'' بھابی نے شکوہ کیا۔

''لگتا ہے پرداش بھائی کی سنگت نے میکے والوں کی یاد ختم کردی ہے۔'' دوسری بھابی کے کہنے پر وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی تھی۔

پرداش بستر پر نیم دراز تھا جب کہ وہ کافی دیر سے تیار ہو رہی تھی۔ برائٹ بلیو کلر کی سلک کی کامدار ساڑھی کے ساتھ فیروزے کا جڑاؤ زیور اور بالوں کا جوڑا بنائے وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ پرداش نے بڑی گہری نظروں سے اس کو جانچا۔ وہ تیار ہو کر باہر نکلنے لگی تو پرداش نے اس کی ساڑھی کا پلو تھام لیا۔ اس نے حیرت سے گردن گھما کر دیکھا۔ ان دو تین ماہ کے دوران تو اس نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی۔ وہ پلو چھڑانے لگی تو پرداش نے ایک جھٹکے سے اسے اپنے سینے پر گرا لیا۔

''ڈرتی ہو مجھ سے؟''

''ڈرتی نہیں ہوں۔ نفرت کرتی ہوں۔'' وہ بے حد صاف گوئی سے بولی۔

''میں تمہارا شوہر ہوں۔ تم پر جائز حق رکھتا ہوں۔ پھر یہ دوری چہ معنی۔''

''آپ اپنا جائز حق ناجائز طریقے سے وصول کر چکے ہیں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

کس زمانے کی بات کرتے ہو
دل جلانے کی بات کرتے ہو

جانے آج وہ کس موڈ میں تھا۔ وہ کھڑا ہوگیا اور اسے شانوں سے تھام کر اپنے مقابل کرتے ہوئے شعر پڑھا۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی تو پرداش نے اسے چھوڑ دیا۔ آنے والا عمیر تھا۔

''وہ۔ آپ دونوں کو نیچے امی بلا رہی ہیں۔''

''تم چلو۔ ہم آ رہے ہیں۔'' وہ دھیرے سے مسکرائی۔

''دنیا داری اچھی کر لیتی ہو۔'' عمیر کے جانے کے بعد پرداش نے کہا۔

''کیا مطلب؟'' وہ تنک کر بولی۔

''مطلب یہ کہ سب کے سامنے میٹھی میٹھی مسکراہٹیں اور تنہائی میں نفرت کی باتیں۔'' پرداش دھیرے سے ہنسا اور پھر اس پر جھک کر شاید پہلی بار اپنا بھرپور استحقاق استعمال کیا۔ وہ محض پھڑپھڑا کر رہ گئی اور تڑپ کر اس کے حصار سے نکلی۔

''مجھے نفرت ہے آپ سے۔ شدید نفرت، سمجھے آپ۔'' وہ تیزی سے باہر نکل گئی تو وہ بھی پیچھے ہولیا۔

وہ ایک ہفتہ گاؤں میں رہی تھی اور اس ایک ہفتے کے دوران شاید ایک بار بھی اس کی عمیر سے کوئی بات

Aneela Pakistanipoint

نہیں ہوئی تھی۔
''سنو۔'' عمیر کے پکارنے پر وہ پلٹی۔ کچھ ہی دیر بعد اس کی روانگی تھی۔
''ارے۔ عمیر، کہو کیا بات ہے؟'' وہ مسکرائی۔
''تم واقعی اتنی خوش ہو یا پوز کرتی ہو؟'' وہ بلا کا چہرہ شناس تھا۔
''کک..... کیا مطلب؟ میں تو بہت خوش ہوں۔'' وہ ایک لمحے کو گڑبڑا گئی۔
''عامرہ! تم بے وفا تو نہ تھیں۔ پھر..... پھر یہ سب کیوں.....؟'' دل کا درد، لہجے میں سما گیا تھا۔
''میں نے تو کبھی تم سے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ بولو کیا میں نے کبھی تم سے کوئی وعدہ کیا، کوئی قسمیں کھائیں۔''
''عامرہ..... تم تو.....''
''عمیر پلیز۔ میں اب کوئی بچی نہیں ہوں۔ شادی شدہ ہوں۔ کسی کی بیوی ہوں۔ آئندہ مجھ سے اس بارے میں کوئی بات نہ کرنا۔'' وہ چلی گئی اور عمیر وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔

وہ واپس لاہور آ گئے تھے۔ زندگی اسی ڈگر پر چل رہی تھی۔ ''عامرہ! اگر تم چاہو تو کالج دوبارہ سے جوائن کر سکتی ہو۔'' پرداش نے ایک بار اسے آفر دی تو وہ نخوت سے سر جھٹک کر رہ گئی۔
''بہت شکریہ آپ کا۔''
''عامرہ! تم..... تم کب تک مجھ سے یوں دور رہو گی۔''
''جب تک میرے جسم میں ایک رمق جان بھی باقی ہو گی۔'' وہ چیخ کر بولی۔
''تم کیا سمجھتی ہو میں تم پر اپنا حق زبردستی نہیں جتا سکتا۔''
''زبردستی تو آپ کر چکے۔ مزید کچھ باقی بچا ہے۔''
''لیکن عامرہ.....''
''مجھے کچھ نہیں سننا۔ آپ براہ مہربانی یہاں سے تشریف لے جا سکتے ہیں۔'' وہ کمبل تان کر لیٹ گئی اور پرداش تاسف سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔ (ایسے کس طرح گزرے گی زندگی۔ آخر کس طرح میں اس نادان لڑکی کے دل سے میل صاف کر پاؤں گا۔ اوہ میرے خدا) وہ سر تھام کر بیٹھ گیا تھا۔

❖ ❖ ❖

''عامرہ! تم نے امی کو کیا بتایا ہے؟'' وہ ابھی ابھی نہا کر نکلی تھی کہ پرداش اس کے سر پر آ کھڑا ہوا۔
''کیا بتایا ہے؟''
''یہی تو میں پوچھ رہا ہوں تم سے۔ آخر کیا ضرورت تھی گزری باتوں کا ذکر کرنے کی۔''
''آپ کیا کہہ رہے ہیں، میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔''
''جھوٹ مت بولو۔ اگر تم نے نہیں بتایا تو پھر امی کو کیسے پتا چل گیا کہ ہمارا یہ بندھن زبردستی کا بندھن ہے۔''
''میں نے کچھ نہیں بتایا کسی کو۔'' وہ رخ موڑ گئی۔
''پھر امی کیوں کہہ رہی ہیں مجھے کہ میں گناہ گار ہوں۔'' پرداش نے اس کو شانوں سے جکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا۔
''وہاٹ، آپ کا مطلب ہے.....''
''ہاں۔ امی کو سب معلوم ہو گیا ہے۔''
''نہیں۔ آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو خدا کے لیے پرداش میرا گلا گھونٹ دیجیے۔ میں امی کا سامنا نہیں کر سکتی۔'' وہ رونے لگی تھی۔
''امی کو پوری بات کا تو علم نہیں ہے مگر تھوڑا تھوڑا شک ضرور ہو گیا ہے۔ شاید چوکیدار کی بیوی یا اس بوا نے کچھ بھانپ لیا تھا۔ ان دنوں تم حرکتیں بھی تو بہت عجیب عجیب کر رہی تھیں۔''
''آپ..... آپ امی کو کسی بھی طرح اس بات کا علم نہ ہونے دیں ورنہ میں مر جاؤں گی، مر جاؤں گی

گی۔'' وہ اسی کے شانے پر سر رکھ کر رو دی۔ یہ لڑکیاں بھی سدا کی بے وقوف ہوتی ہیں جو دکھ دیتا ہے اسی کے وجود میں مداوا تلاش کرتی ہیں۔

''ایزی، ایزی۔ میری جان اگر انہیں اس بات کا علم ہو بھی گیا ہے تو اب تم میری بیوی ہو۔ میری عزت ہو، اوکے۔'' پرداش نے تسلی دی تو وہ جھجک کر پیچھے ہٹ گئی۔

اس روز کمرے کی ڈسٹنگ کرتے ہوئے اس کے ہاتھ پرداش کی پرانی ڈائری لگی تھی۔ عامرہ نے کھول کر دیکھا تو بس دیکھتی ہی چلی گئی۔ اب پتا چلا کہ وہ اس قدر آزردہ کیوں رہتا تھا۔ کسی سائرہ نامی لڑکی سے محبت میں دھوکا کھایا تھا۔ دوسرے اس نے اپنی ڈائری میں اپنے والد کا ذکر جہاں بھی کیا تھا بڑی حقارت سے کیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اس کا باپ ایک عیاش فطرت کا شخص تھا۔ میمونہ کو کبھی بھی اپنے شوہر سے کوئی خوشی نہ ملی تھی۔ پرداش ہمیشہ باپ کی شفقت سے محروم ہی رہا تھا۔ عامرہ نے ڈائری بند کر دی۔ ایسے ہی اس نے بیڈ روم فریج کھول کر دیکھا جسے اس نے ہمیشہ لاکڈ پایا تھا۔ آج جانے کیسی کھلی رہ گئی تھی۔ فریج کھولتے ہی اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ (اف! تو وہ یہ سب بھی استعمال کرتا ہے) اس نے فریج بند کر دیا۔ اسے اب معلوم ہوا تھا پرداش جو مشروب اکثر و بیشتر استعمال کرتا تھا اور وہ جسے پیپسی سمجھتی تھی، وہ کچھ اور تھا۔ اسے ابکائی آنے لگی تھی۔ رات کو پرداش آیا تو عامرہ نے بڑی عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا۔

''کیا بات ہے؟ ایسے کیوں دیکھ رہی ہو۔ کیا پہلی بار دیکھا ہے۔'' وہ مسکرایا۔ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ چکا تھا۔ عامرہ گڑبڑا کر نظروں کا زاویہ تبدیل کر گئی اور کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔ پرداش کافی دیر ٹی وی دیکھتا رہا۔ عامرہ کی طرف دیکھا تو وہ بے خبر سو رہی تھی۔ اس نے بیڈ روم فریج کھول کر دو پیپسی کی بوتل نکالی۔ ابھی گلاس بھرا ہی تھا کہ عامرہ اٹھ

خوشیوں کی گھڑیاں

تو جو آئی تو عید ہو جائے
ہر خوشی ہی شدید ہو جائے
کوئی قاصد آئے کچھ خبر تو ملے
تپتے صحرا میں اک شجر تو ملے
زندگی پر امید ہو جائے
تو جو آئے تو عید ہو جائے
منتظر ہوں گی زمانوں سے
ہے تمنا کہ ان نگاہوں سے
اس برس تیری ہو جائے
تو جو آئے تو عید ہو جائے
چاندنی رات اور ملن کی گھڑی
میرے ساجن وہ اک پل ہو بڑی
لمحہ لمحہ نوید ہو جائے
تو جو آئے تو عید ہو جائے

(خرم شہزاد گوندل آزاد)
(آف گوجر شریف پنڈ دادنخان)

گئی اور لپک کر اس سے گلاس چھین لیا۔

''تم جاگ رہی ہو؟''

''ہاں۔ صرف یہی نظارہ دیکھنے کے لیے۔''

''اب دیکھ لیا ناں۔ لاؤ یہ مجھے دے دو۔'' پرداش نے اس کے ہاتھ سے گلاس لینا چاہا۔

''نہیں۔ میں یہ زہر آپ کو نہیں پینے دوں گی۔'' عامرہ نے گلاس فرش پر انڈیل دیا۔ پورے کمرے میں عجیب سی بو پھیل گئی۔

''کیوں نہیں پینے دو گی۔ تمہارا مجھ سے تعلق ہی کیا ہے؟''

''وہ.....'' وہ لاجواب ہو گئی تھی۔

''ہاہا۔'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ ''جس رشتے کو تم نے دل سے قبول نہیں کیا پھر اس کے تحت اتنا حق

کیوں جتا رہی ہو۔ تمہیں کیا، میں یہ زہر پیوں یا نہیں۔'' وہ تلخ ہوگیا۔ عامرہ کیا کہتی چپ رہی۔

''یہ وہ چیز ہے جس کو پی کر میں چند لمحوں کے لیے ماضی کی تلخیوں کو بھلا دیتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ ام الخبائث ہے جس کو پی کر انسان بہک جاتا ہے۔ اچھے برے کی پہچان کھو دیتا ہے اور میں تو بہت بہکا ہوا اور بھٹکا ہوا انسان ہوں۔'' وہ خود کلامی کے سے انداز میں بولا۔

''اسی لیے تو اسلام نے ہر قسم کے نشے سے دور رہنے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ نشہ کر کے انسان اچھے برے کی پہچان نہیں کر سکتا۔ نشے میں وہ عورت کی عزت کرنا نہیں جانتا۔'' عامرہ کو وہی خونی رات یاد آ گئی تھی جس نے اس سے اس کا سب کچھ چھین لیا تھا۔

''آپ یہ عادت چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟'' جانے کس جذبے کے تحت وہ کہہ گئی۔

''کس کے لیے چھوڑوں۔ ہاں بولو، کون ہے میرا اپنا۔ سب ہی تو بے گانے ہیں۔ سب نے مجھے دھوکہ دیا۔ کیا کروں میں۔ مجھے نفرت ہے اپنی زندگی سے۔'' اس کے دل کی تلخی زبان پر آ گئی تھی۔ حلق تک کڑوا ہوگیا تھا۔ عامرہ سے کچھ جواب نہ بنا تو کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔

''ہونہہ۔ عامرہ بیگم! حق اس چیز پر جتایا جاتا ہے جسے دل سے اپنایا جائے۔ استحقاق اس چیز پر اچھا لگتا ہے جو اپنی ہو۔ اور مس..... ہا..... میں بقول تمہارے صرف ایک لٹیرا ہوں اور بس۔'' وہ مسلسل طنز کے نشتر برسا رہا تھا۔ عامرہ کی آنکھوں سے سیل رواں بہہ رہا تھا۔ ایک بھٹکا ہوا گمراہ شخص اس کا شوہر ہوگا، ایسا تو اس نے سوچا بھی نہ تھا۔

پرداش چند دنوں کے لیے لاہور سے کراچی گیا تھا شاید بزنس کا کوئی کام تھا مگر دو ہفتے گزر گئے۔ وہ آیا نہ اس کا کوئی خط، ٹیلی فون وغیرہ۔ میمونہ بے حد پریشان تھیں۔ عامرہ کا دل بھی عجیب عجیب واہموں میں گھرا ہوا تھا۔ کراچی کے حالات بھی کچھ اچھے نہ تھے۔ آئے دن دہشت گردی ہوتی تھی۔ وہ بے حد فکرمند تھی۔ جیسا بھی تھا وہ اب اس کا شوہر تھا اور شوہر کے لیے فکرمند ہونا ایک فطری سی بات تھی۔ میمونہ تو بستر سے جا لگی تھیں۔

اس وقت بھی وہ انہیں گرم دودھ کے ساتھ نیند کی گولی دے کر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ عشاء کی نماز بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھی۔ رو رو کر اس کی سلامتی کی دعائیں مانگیں۔ دعا مانگ کر وہ اٹھی تو نظر سامنے دروازے میں ایستادہ پرداش پر پڑی۔ وہ جانے کب آیا تھا چونکہ وہ نماز پڑھ رہی تھی اس لیے اس کے آنے کا پتا نہیں چلا تھا۔ وہ پہلے تو بے یقینی سے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔ یہ بالکل بے اختیاری عمل تھا۔

''کہاں چلے گئے تھے آپ؟ کم از کم اپنی خیریت کی اطلاع تو کر دی ہوتی۔'' وہ رونے لگی تھی۔ پرداش کو اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہونے لگا۔

''تو کیا میرا انتظار ختم ہوگیا؟'' پرداش کا لہجہ بے یقینی سے پر تھا۔ عامرہ کو اپنی حماقت کا احساس ہوا تو جھجک کر پیچھے ہٹی۔

''جی..... جی نہیں۔'' وہ بے ربط ہوئی۔

''یار! تمہاری بے قراری نے تو مجھے خوش فہمی میں مبتلا کر دیا تھا۔'' وہ بیڈ پر بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا۔ عامرہ بیڈ کے کنارے کھڑی انگلیاں مروڑتی رہی۔

''بیٹھ جاؤ۔ تمہیں کھا نہیں جاؤں گا۔'' وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دیا۔

''آپ کا کچھ بھروسہ نہیں۔'' وہ چیخ کر بولی۔

''اتنی بے اعتباری اچھی نہیں ہوتی۔''

''لگتا ہے آپ کافی تھک گئے ہیں۔ میں چائے لاتی ہوں۔'' وہ باہر کی طرف بڑھنے لگی تو پرداش نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''تمہیں احساس ہے میری تھکن کا؟'' وہ کیا کہتی

خاموش کھڑی رہی۔ ''ویسے ایک اور طریقہ بھی ہے میری تھکن اتارنے کا۔'' پرداش کی آنکھیں شرارت سے چمک رہی تھیں۔

''آپ کو دیکھ کر میری تھکن اور بڑھ جاتی ہے۔'' وہ چڑ کر بولی۔

''مگر میری تھکن اتر جاتی ہے۔'' یہ کہتے ہی پرداش نے دھیرے سے اسے بانہوں میں سمیٹ لیا تھا اور عامرہ کی کمزوری مزاحمت پرداش کے بازوؤں میں ہی دم توڑ گئی تھی۔

اس روز اچانک ہی عامرہ کے میکے والے آ گئے تھے۔ ساری ینگ پارٹی آئی تھی۔ سب کزنز اور ان کی بیویوں اور بچوں کو دیکھ کر تو وہ دھنک رنگوں میں نہا گئی تھی۔ اتفاق سے عظمیٰ بھی آ گئی تھی۔ اتنے سارے مہمان گھر میں تھے۔ میمونہ پھوپو بیمار تھیں۔ خانساماں چھٹی پر گیا ہوا تھا۔ ایسے میں وہ بے چاری گھن چکر بنی ہوئی تھی۔ اتنی ساری ڈشز تیار کرنا تھیں اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ پہلے کون سا کام کرے۔

''میں کچھ مدد کروں؟'' پرداش پانی پینے آیا تھا مگر اسے اتنے سارے کام تنہا کرتے دیکھ کر مخلصانہ آفر دی۔

''تھینکس۔ یہ خواتین کے کام ہیں۔''

''بھئی میرا خیال ہے بیوی کا ہاتھ بٹانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔'' وہ بھی اس کے ساتھ کام کروانے لگا۔ عامرہ کو بڑی سہولت ہو گئی تھی۔ وہ سب کام جانتا تھا۔

''پتا ہے میں جب امریکہ میں تھا تو سارے کام اپنے ہاتھ سے ہی کرتا تھا اس لیے امور خانہ داری میں طاق ہو چکا ہوں۔''

عامرہ نے ایک نظر تیزی سے سلاد کے لیے پیاز کاٹتے پرداش پر ڈالی۔ لمبا اونچا قد، مضبوط کسرتی جسم، شرٹ کا اوپری بٹن کھلا ہونے کی وجہ سے کچھ کچھ گریبان نظر آ رہا تھا۔ شرٹ کے بازو فولڈ کیے ہوئے تھے۔ پیاز کے دھوئیں کی وجہ سے آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ عنابی لب گھنی مونچھوں تلے بھنچے ہوئے تھے۔ وہ بڑی محویت سے اسے دیکھ رہی تھی جب پرداش کی نظر اس پر پڑی۔

''آج پتا چلا کہ میں بے حد خوبصورت ہوں۔ ویسے آپس کی بات ہے کیا نظر لگانے کا ارادہ ہے۔''

وہ مسکرایا تو عامرہ نے جھینپ کر نظریں ہٹا لیں۔

تمام لوگ سب نے آؤٹنگ کا پروگرام بنایا۔ موسم بے حد خوش گوار تھا۔ پہلے سب نے برگرز اور کوکس لیں۔ خواتین نے کچھ شاپنگ کی۔ عامرہ نے اپنے لیے کچھ نہیں خریدا تھا۔

''ارے، عامرہ! تم نے تو کچھ لیا ہی نہیں اپنے لیے۔'' بھابی نے اسے الگ تھلگ کھڑے دیکھ کر کہا۔

''بھابی! ابھی کچھ لینے کو دل نہیں کر رہا۔ ویسے بھی

ننھے ادیبوں کی تلاش

کیا آپ کا بچہ کہانیاں سننے سنانے اور لکھنے کا شائق ہے۔ اگر ایسا ہے تو آپ اس کی حوصلہ افزائی کیجیے کیونکہ کتاب بینی اور کتاب نویسی انسانی کردار کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ آپ ہمیں اپنے بچوں بہن بھائیوں کی کہانیاں ارسال کریں ہم ان کی تحریریں نوک پلک درست کر کے کتابی صورت میں شائع کریں گے۔

ننھے ادیب: احمد چیمبر بلموریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی

ابھی تو جہیز اور بری کی بے شمار چیزیں پیک پڑی ہیں۔"

"پرداش بھائی! لگتا ہے آپ نے ہماری اس پیاری سی نند پر پابندیاں لگا رکھی ہیں۔" بھابی قریب ہی کھڑے پرداش سے مخاطب ہوئیں۔

"نہیں بھابی۔ ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ دراصل آپ کی نند کو ہی شاپنگ کرنے کا شوق نہیں ہے۔"

"کیوں بھئی عامرہ اتنی بڑی تبدیلی۔ ورنہ شادی سے پہلے تو تم بازار جانے کے لیے ہر وقت تیار رہتی تھیں۔"

"نہیں بھابی بس۔ وہ ..... مصروفیت اتنی ہوتی ہے کہ نکلنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔"

"ابھی تو شادی کو چھ سات ماہ ہوئے ہیں اور تم اتنی مصروف ہوگئی ہو۔ جب وہ ریں ریں کرتے چنکو منکو آجائیں گے تو کیا کروگی؟" بھابی کی اس بات پر وہ شرم سے سرخ ہوگئی جبکہ پرداش زیرلب مسکرادیا۔ عامرہ جیولری سیکشن پر جا کھڑی ہوئی۔ یونہی مختلف چیزیں اٹھا کر دیکھ رہی تھی جب کسی نے اس کی گردن میں چین پہنائی، سامنے ہی آئینہ تھا۔ وہ بخوبی پرداش کو دیکھ سکتی تھی۔ پرداش نے خود ہی چین اور لاکٹ خرید کر اس کے گلے میں پہنادیا تھا۔ وہ احتجاج بھی نہیں کرسکی تھی۔ اس کے بعد سب لوگ پارک کی طرف آگئے۔ شام کے چھ بج رہے تھے۔ کافی گہما گہمی تھی کیونکہ موسم بہت اچھا تھا۔

"سب خواتین اپنے اپنے مجازی خدا کے ہمراہ واک پر نکل کھڑی ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے۔" پرداش اس کے قریب ہی گھاس پر نیم دراز ہوگیا۔

"جی نہیں، میرا ایسا کوئی خیال نہیں ہے۔" اس کا موڈ خراب تھا۔

"یار۔ تم سب کچھ بھول کیوں نہیں جاتیں۔ سب باتیں ماضی کا حصہ بن چکی ہیں۔ تم میری بیوی ہو اور میں تمہارا شوہر۔ بھول جاؤ سب کچھ اور ایک اچھی اور خوشگوار زندگی گزارو میرے ساتھ۔"

"یہ آپ اس لیے کہہ رہے ہیں کہ جو میری عزت کا لٹیرا تھا اب وہی میرا شوہر ہے۔ میں چاہوں بھی تو وہ سب کچھ نہیں بھلا سکتی۔ اس خوف ناک رات کا تصور ہی میرے رونگٹے کھڑے کردیتا ہے۔ میں تو وہ بدنصیب ہوں کہ اپنے لٹ جانے کا ماتم بھی نہیں کرسکتی۔"

"افوہ! تم اب بھی ایک پاک دامن اور عزت دار لڑکی ہو۔ تم سمجھتی کیوں نہیں ہو۔" وہ تنگ آگیا تھا اسے سمجھاتے سمجھاتے۔

"ہونہہ پاک دامن۔" اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔

"سنو۔ کیا شادی سے پہلے تم کہیں کمیٹڈ تھیں؟" جانے اسے کیا سوجھی۔

"آپ سے مطلب؟"

"پھر بھی۔ بتاؤ تو سہی۔"

"جی ہاں۔" وہ جل کر بولی۔

"کون تھا وہ خوش نصیب؟"

"آپ کیا کریں گے جان کر۔ روایتی شوہروں کی طرح اسے غیرت کے نام پر قتل کرنے کا ارادہ ہے۔" بے حد تلخ لہجہ تھا۔

"تم بتاؤ۔ میں سننے کی ہمت رکھتا ہوں۔"

"عمیر۔"

"وہاٹ۔"

"کیوں کیا ہوا؟"

"شاید مجھ سے واقعی بڑی زیادتی ہوئی ہے۔" عمیر کا ستا ہوا چہرہ پرداش کی نگاہوں کے سامنے گھوم گیا تھا۔ عامرہ محض اسے دیکھ کر رہ گئی۔

❖ ❖ ❖

"میں نہیں مانتی۔ یہ سب غلط ہے۔ جھوٹ ہے۔"

"ڈاکٹر کی رپورٹس تو جھوٹی نہیں ہیں۔ یہ تو بڑی

خوشی کی خبر ہے۔"

"میرے لیے یہ موت کی خبر ہے۔ میں دنیا کو چیخ چیخ کر بتاؤں گی کہ یہ بچہ ناجائز ہے۔"

"چٹاخ۔" پرداش کا ہاتھ اس کے گال پر انگارے دہکا گیا۔

"کیوں کیا بہت برا لگا اپنے بچے کے لیے ناجائز کا لفظ۔"

"بکواس بند کرو۔ ہم قانونی اور شرعی طور پر میاں بیوی ہیں۔ پھر ہمارا بچہ کس طرح ناجائز ہوسکتا ہے۔"

"اس وقت قانون اور شریعت کہاں تھے جب آپ کے اندر شیطان سما گیا تھا۔"

"اوہ مائی گاڈ۔ اب میں تم کو کیسے سمجھاؤں؟" وہ سر تھام کر بیٹھ گیا۔

"مجھے کچھ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اب ایک پل یہاں نہیں رکوں گی۔ میں آج ہی گاؤں جارہی ہوں۔" وہ الماری سے کپڑے نکالنے لگی۔

"میں تمہیں گاؤں جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"میں نے آپ سے اجازت مانگی بھی نہیں ہے۔" وہ تنک کر بولی۔

"صرف ایک شرط پر گاؤں جاسکتی ہو۔"

"مجھے آپ کی کوئی شرط منظور نہیں ہے۔" ہٹ دھرمی کی انتہا تھی۔

"یاد رکھو اگر تم نے کوئی غلط حرکت کی کوشش کی تو انجام کی ذمہ دار تم خود ہوگی۔" وہ دھمکی آمیز لہجے میں کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

وہ گاؤں چلی آئی۔ کسی کو اس نے نہیں بتایا تھا کہ وہ پرداش سے لڑ کر آئی تھی۔ ہر دم اداس اور کھوئی کھوئی سی رہنے لگی تھی۔ میمونہ پھوپو گاہے بگاہے چکر لگاتی رہتی تھیں۔

اور پھر وہ دن بھی آگیا جب اس نے ایک گول مٹول سی پیاری سی بیٹی کو جنم دیا۔ ڈیلیوری لاہور کے ایک بڑے ہاسپٹل میں ہوئی تھی۔ پرداش نے سنا تو وہ دوڑا چلا آیا۔ اس سے رہا نہ گیا تھا۔

"کیسی ہو؟" عامرہ کے پہلو میں سے گول مٹول سی گلابی گلابی بچی کو بازوؤں میں اٹھاتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا۔ یوں لگا جیسے اپنی زندگی کو بازوؤں میں سمیٹ رکھا ہو۔ وہ اپنے وجود کا ہی تو حصہ تھی۔ انسیت کیوں نہ محسوس ہوتی۔

"آپ کو کیسی لگ رہی ہوں؟" اس کا لب و لہجہ بے حد شیریں تھا۔

"بہت دلکش، بہت حسین۔ تم نے مجھے آج وہ تحفہ دیا ہے جو شاید کوئی اور نہ دے سکے۔"

"پرداش۔"

"جی، جان پرداش۔" وہ جی جان سے متوجہ ہوگیا تھا۔

"میں نے آپ کو بہت ستایا ہے ناں؟"

"نہیں، ایسا مت کہو۔ ظالم تو میں ہوں۔ ظلم تو میں نے تم پر کیا تھا۔"

"پرداش میں نے آپ کو معاف کردیا۔ اپنی بیٹی کی خاطر، عورت ماں بننے کے بعد عورت نہیں رہتی "ماں" بن جاتی ہے۔ اور ماں صرف ماں ہوتی ہے۔"

"ہم اپنی بیٹی کا نام "عزت" رکھیں گے۔" عامرہ کے چہرے پر ممتا کا نور برس رہا تھا۔

"بہت بہت شکریہ عامرہ۔ تم نے مجھے آج نئی زندگی بخشی ہے، تمام آلودگیوں سے پاک زندگی۔ عامرہ زندہ باد۔ عزت پائندہ باد۔"

✻

Aneela
Pakistanipoint

خوشی کی خبر ہے۔"

"میرے لیے یہ موت کی خبر ہے۔ میں دنیا کو چیخ چیخ کر بتاؤں گی کہ یہ بچہ ناجائز ہے۔"

"چٹاخ۔" پرداش کا ہاتھ اس کے گال پر انگارے دہکا گیا۔

"کیوں کیا بہت برا لگا اپنے بچے کے لیے ناجائز کا لفظ۔"

"بکواس بند کرو۔ ہم قانونی اور شرعی طور پر میاں بیوی ہیں۔ پھر ہمارا بچہ کس طرح ناجائز ہوسکتا ہے۔"

"اس وقت قانون اور شریعت کہاں تھے جب آپ کے اندر شیطان سما گیا تھا۔"

"اوہ مائی گاڈ۔ اب میں تم کو کیسے سمجھاؤں؟" وہ سر تھام کر بیٹھ گیا۔

"مجھے کچھ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اب ایک پل یہاں نہیں رکوں گی۔ میں آج ہی گاؤں جارہی ہوں۔" وہ الماری سے کپڑے نکالنے لگی۔

"میں تمہیں گاؤں جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"میں نے آپ سے اجازت مانگی بھی نہیں ہے۔" وہ تنک کر بولی۔

"صرف ایک شرط پر گاؤں جاسکتی ہو۔"

"مجھے آپ کی کوئی شرط منظور نہیں ہے۔" ہٹ دھرمی کی انتہا تھی۔

"یاد رکھو اگر تم نے کوئی غلط حرکت کی کوشش کی تو انجام کی ذمہ دار تم خود ہوگی۔" وہ دھمکی آمیز لہجے میں کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

وہ گاؤں چلی آئی۔ کسی کو اس نے نہیں بتایا تھا کہ وہ پرداش سے لڑ کر آئی تھی۔ ہر دم اداس اور کھوئی کھوئی سی رہنے لگی تھی۔ میمونہ پھوپو گاہے بگاہے چکر لگاتی رہتی تھیں۔

اور پھر وہ دن بھی آگیا جب اس نے ایک گول مٹول سی پیاری سی بیٹی کو جنم دیا۔ ڈلیوری لاہور کے ایک بڑے ہاسپٹل میں ہوئی تھی۔ پرداش نے سنا تو وہ دوڑا چلا آیا۔ اس سے رہا نہ گیا تھا۔

"کیسی ہو؟" عامرہ کے پہلو میں سے گول مٹول سی گلابی گلابی بچی کو بازوؤں میں اٹھاتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا۔ یوں لگا جیسے اپنی زندگی کو بازوؤں میں سمیٹ رکھا ہو۔ وہ اپنے وجود کا ہی تو حصہ تھی۔ انسیت کیوں نہ محسوس ہوتی۔

"آپ کو کیسی لگ رہی ہوں؟" اس کا لب ولہجہ بے حد شیریں تھا۔

"بہت دلکش، بہت حسین۔ تم نے مجھے آج وہ تحفہ دیا ہے جو شاید کوئی اور نہ دے سکے۔"

"پرداش۔"

"جی، جان پرداش۔" وہ جی جان سے متوجہ ہوگیا تھا۔

"میں نے آپ کو بہت ستایا ہے ناں؟"

"نہیں، ایسا مت کہو۔ ظالم تو میں ہوں۔ ظلم تو میں نے تم پر کیا تھا۔"

"پرداش میں نے آپ کو معاف کردیا۔ اپنی بیٹی کی خاطر، عورت ماں بننے کے بعد عورت نہیں رہتی "ماں" بن جاتی ہے۔ اور ماں صرف ماں ہوتی ہے۔"

"ہم اپنی بیٹی کا نام "عزت" رکھیں گے۔" عامرہ کے چہرے پر ممتا کا نور برس رہا تھا۔

"بہت بہت شکریہ عامرہ۔ تم نے مجھے آج نئی زندگی بخشی ہے، تمام آلودگیوں سے پاک زندگی۔ عامرہ زندہ باد۔ عزت پائندہ باد۔"

✻

Aneela pakistanipoint

خوشی کی خبر ہے۔''

''میرے لیے یہ موت کی خبر ہے۔ میں دنیا کو چیخ چیخ کر بتاؤں گی کہ یہ بچہ ناجائز ہے۔''

''چٹاخ۔'' پرداش کا ہاتھ اس کے گال پر انگارے دہکا گیا۔

''کیوں کیا بہت برا لگا اپنے بچے کے لیے ناجائز کا لفظ۔''

''بکواس بند کرو۔ ہم قانونی اور شرعی طور پر میاں بیوی ہیں۔ پھر ہمارا بچہ کس طرح ناجائز ہوسکتا ہے۔''

''اس وقت قانون اور شریعت کہاں تھے جب آپ کے اندر شیطان سما گیا تھا۔''

''اوہ مائی گاڈ۔ اب میں تم کو کیسے سمجھاؤں؟'' وہ سر تھام کر بیٹھ گیا۔

''مجھے کچھ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اب ایک پل یہاں نہیں رکوں گی۔ میں آج ہی گاؤں جارہی ہوں۔'' وہ الماری سے کپڑے نکالنے لگی۔

''میں تمہیں گاؤں جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔''

''میں نے آپ سے اجازت مانگی بھی نہیں ہے۔'' وہ تنک کر بولی۔

''صرف ایک شرط پر گاؤں جاسکتی ہو۔''

''مجھے آپ کی کوئی شرط منظور نہیں ہے۔'' ہٹ دھرمی کی انتہا تھی۔

''یاد رکھو اگر تم نے کوئی غلط حرکت کی کوشش کی تو انجام کی ذمہ دار تم خود ہوگی۔'' وہ دھمکی آمیز لہجے میں کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

وہ گاؤں چلی آئی۔ کسی کو اس نے نہیں بتایا تھا کہ وہ پرداش سے لڑ کر آئی تھی۔ ہر دم اداس اور کھوئی کھوئی سی رہنے لگی تھی۔ میمونہ پھوپو گاہے بگاہے چکر لگاتی رہتی تھیں۔

اور پھر وہ دن بھی آگیا جب اس نے ایک گول مٹول سی پیاری سی بیٹی کو جنم دیا۔ ڈلیوری لاہور کے ایک بڑے ہاسپٹل میں ہوئی تھی۔ پرداش نے سنا تو وہ دوڑا چلا آیا۔ اس سے رہا نہ گیا تھا۔

''کیسی ہو؟'' عامرہ کے پہلو میں سے گول مٹول سی گلابی گلابی بچی کو بازوؤں میں اٹھاتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا۔ یوں لگا جیسے اپنی زندگی کو بازوؤں میں سمیٹ رکھا ہو۔ وہ اپنے وجود کا ہی تو حصہ تھی۔ انسیت کیوں نہ محسوس ہوتی۔

''آپ کو کیسی لگ رہی ہوں؟'' اس کا لب ولہجہ بے حد شیریں تھا۔

''بہت دلکش، بہت حسین۔ تم نے مجھے آج وہ تحفہ دیا ہے جو شاید کوئی اور نہ دے سکے۔''

''پرداش۔''

''جی، جان پرداش۔'' وہ جی جان سے متوجہ ہوگیا تھا۔

''میں نے آپ کو بہت ستایا ہے ناں؟''

''نہیں، ایسا مت کہو۔ ظالم تو میں ہوں۔ ظلم تو میں نے تم پر کیا تھا۔''

''پرداش میں نے آپ کو معاف کردیا۔ اپنی بیٹی کی خاطر، عورت ماں بننے کے بعد عورت نہیں رہتی ''ماں'' بن جاتی ہے۔ اور ماں صرف ماں ہوتی ہے۔''

''ہم اپنی بیٹی کا نام ''عزت'' رکھیں گے۔'' عامرہ کے چہرے پر ممتا کا نور برس رہا تھا۔

''بہت بہت شکریہ عامرہ۔ تم نے مجھے آج نئی زندگی بخشی ہے، تمام آلودگیوں سے پاک زندگی۔ عامرہ زندہ باد۔ عزت پائندہ باد۔

Aneela Pakistanipoint

خوشی کی خبر ہے۔"

"میرے لیے یہ موت کی خبر ہے۔ میں دنیا کو چیخ چیخ کر بتاؤں گی کہ یہ بچہ ناجائز ہے۔"

"چٹاخ" پرداش کا ہاتھ اس کے گال پر انگارے دہکا گیا۔

"کیوں کیا بہت برا لگا اپنے بچے کے لیے ناجائز کا لفظ۔"

"بکواس بند کرو۔ ہم قانونی اور شرعی طور پر میاں بیوی ہیں۔ پھر ہمارا بچہ کس طرح ناجائز ہوسکتا ہے۔"

"اس وقت قانون اور شریعت کہاں تھے جب آپ کے اندر شیطان سما گیا تھا۔"

"اوہ مائی گاڈ۔ اب میں تم کو کیسے سمجھاؤں؟" وہ سر تھام کر بیٹھ گیا۔

"مجھے کچھ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اب ایک پل یہاں نہیں رکوں گی۔ میں آج ہی گاؤں جارہی ہوں۔" وہ الماری سے کپڑے نکالنے لگی۔

"میں تمہیں گاؤں جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"میں نے آپ سے اجازت مانگی بھی نہیں ہے۔" وہ تنک کر بولی۔

"صرف ایک شرط پر گاؤں جاسکتی ہو۔"

"مجھے آپ کی کوئی شرط منظور نہیں ہے۔" ہٹ دھرمی کی انتہا تھی۔

"یاد رکھو اگر تم نے کوئی غلط حرکت کی کوشش کی تو انجام کی ذمہ دار تم خود ہوگی۔" وہ دھمکی آمیز لہجے میں کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

وہ گاؤں چلی آئی۔ کسی کو اس نے نہیں بتایا تھا کہ وہ پرداش سے لڑ کر آئی تھی۔ ہر دم اداس اور کھوئی کھوئی سی رہنے لگی تھی۔ میمونہ پھوپو گاہے بگاہے چکر لگاتی رہتی تھیں۔

اور پھر وہ دن بھی آگیا جب اس نے ایک گول مٹول سی پیاری سی بیٹی کو جنم دیا۔ ڈیلیوری لاہور کے ایک بڑے ہاسپٹل میں ہوئی تھی۔ پرداش نے سنا تو وہ دوڑا چلا آیا۔ اس سے رہا نہ گیا تھا۔

"کیسی ہو؟" عامرہ کے پہلو میں سے گول مٹول سی گلابی گلابی بچی کو بازوؤں میں اٹھاتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا۔ یوں لگا جیسے اپنی زندگی کو بازوؤں میں سمیٹ رکھا ہو۔ وہ اپنے وجود کا ہی تو حصہ تھی۔ انسیت کیوں نہ محسوس ہوتی۔

"آپ کو کیسی لگ رہی ہوں؟" اس کا لب ولہجہ بے حد شیریں تھا۔

"بہت دلکش، بہت حسین۔ تم نے مجھے آج وہ تحفہ دیا ہے جو شاید کوئی اور نہ دے سکے۔"

"پرداش۔"

"جی، جان پرداش۔" وہ جی جان سے متوجہ ہوگیا تھا۔

"میں نے آپ کو بہت ستایا ہے ناں؟"

"نہیں، ایسا مت کہو۔ ظالم تو میں ہوں۔ ظلم تو میں نے تم پر کیا تھا۔"

"پرداش میں نے آپ کو معاف کردیا۔ اپنی بیٹی کی خاطر، عورت ماں بننے کے بعد عورت نہیں رہتی "ماں" بن جاتی ہے۔ اور ماں صرف ماں ہوتی ہے۔"

"ہم اپنی بیٹی کا نام "عزت" رکھیں گے۔" عامرہ کے چہرے پر ممتا کا نور برس رہا تھا۔

"بہت بہت شکریہ عامرہ۔ تم نے مجھے آج نئی زندگی بخشی ہے، تمام آلودگیوں سے پاک زندگی۔ عامرہ زندہ باد۔ عزت پائندہ باد۔"

✻

Aneela
pakistanipoint